رسائل و مسائل

خانقاہ کو مرکز ہدایت بنایئے

میں ایک صوفی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرے والد صاحب تصوف میں سلسلہ قادریہ' نقشبندیہ سے منسلک تھے۔ اپنی خانقاہ میں بندگان خدا کو تزکیہ نفس کی طرف دعوت دیتے رہے۔ ۱۹۸۷ میں ان کی وفات ہوئی۔ مریدوں نے سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے ان کو یہاں دفن کرنا چاہا تاکہ مزار بنایا جائے اور مجھے روایتی گدی نشین ہونے کو کہا۔ میرا تعلق اس وقت اسلامی جمعیت طلبہ سے تھا اور مجھے خانقاہی تصوف سے اتفاق نہیں تھا۔ مریدوں کے بے حد اصرار کے باوجود والد صاحب کے جسد خاکی کو آبائی علاقے (دیر) میں دفن کیا گیا۔ تاہم اس کے باوجود بھی مریدوں نے مجھے سجادہ نشین تسلیم کیا۔ کچھ مدت تک تو اس سلسلے کو چلاتا رہا۔ مگر جب بھی تنہائی میں سوچتا تھا تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا۔ چنانچہ اس سلسلے کو خیرباد کہہ دیا۔ لیکن میرے بعد بھی ہماری اس خانقاہ میں عقیدت مند اس سلسلے کو چلاتے رہے۔ کچھ احباب نے مجھے مشورہ دیا کہ اس طرح دور رہ کر آپ خود تو مطمئن ہو جائیں گے مگر ان لوگوں کو اصلاح کی طرف کون لائے گا؟ چنانچہ اسی وجہ سے ۱۹۹۵ سے میں نے باقاعدہ اپنی خانقاہ کو سنبھالا اور ذکر و فکر کی ان مجلسوں کو اب درس قرآن و حدیث کے حلقے میں تبدیل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں' تاہم اس کے باوجود مرید والد صاحب کا عرس باقاعدہ مناتے ہیں۔ جب سے میں آیا ہوں تب سے وہ خرافات جو ان عرسوں' میلوں میں ہوتے ہیں' نہیں ہیں۔ صرف قرآن خوانی اور نعت خوانی کے علاوہ علما کی تقریروں کے بعد محفل ذکر اور آخر میں اجتماعی دعا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں چند سوالات کا تسلی بخش جواب چاہتا ہوں:

۱۔ کیا تصوف کے اس سلسلہ قادریہ' نقشبندیہ' سہروردیہ' چشتیہ وغیرہ کو باقاعدہ جاری رکھنا کوئی دینی خدمت ہے؟ کیا یہ جدوجہد دین الٰہی کی جدوجہد کے متبادل کے طور پر جائز ہے؟

۲۔ عرس و ختم پر جمع ہونے والی رقم کی کیا حیثیت ہے؟ اس کے علاوہ بھی مریدین نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ میرے اصرار کے باوجود وہ ہدیے کے طور پر دیتے ہیں جبکہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی نذرانہ ہے مگر میری وجہ سے وہ ہدیہ کرتے ہیں۔ کیا یہ لینا میرے لیے جائز ہے؟

۳۔ عقیدت مند روحانی و جسمانی بیماریوں کے سلسلے میں' دم تعویذ کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ قرآن و سنت

کہاں تک اس کی اجازت دیتا ہے؟

۴- واضح رہے کہ اس میں مستورات کے بھی مسائل ہوتے ہیں۔ کیا غیر عورت سے اس قسم کی گفتگو کرنا (شادی، بیاہ، پسند، ناپسند وغیرہ کے مسائل) جائز ہے؟

۵- مرید ایک خاص قسم کے اوراد کی اجازت، ریاضت کے لیے طلب کرتے ہیں، مثلاً حزب البحر، ختم خواجگان، درود تاج اور اس قسم کے دوسرے اوراد جن کے بارے میں میرے علم کے مطابق قرآن و سنت سے کوئی واضح ثبوت نہیں ملا۔ یہ اوراد و اشغال کرنا یا ان کی اجازت دینا کہاں تک درست ہے؟

۶- میں شادی شدہ ہوں اور چار بچے ہیں۔ میری یہ خاندانی شادی ہے۔ مادری زبان پشتو اور لوگوں کے ان پڑھ ہونے کی وجہ سے یہاں بڑے مسائل ہیں جبکہ اس سلسلے میں زیادہ تعلق مردوں کے ساتھ عورتوں سے بھی رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان مرید عورتوں کی تربیت و اصلاح کے لیے تعلیم یافتہ خاتون سے دوسری شادی کرلوں۔ کیا اسی نیت سے ایسا کرنا جائز ہے جبکہ اس کے علاوہ اور کوئی شرعی ضرورت نہیں؟ کیا اس کے لیے پہلی بیوی سے اجازت شرط ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کا میں مدت سے ذہنی خلجان محسوس کرتا ہوں۔ قرآن و سنت اور سیرت طیبہؐ کی روشنی میں جواب دیں۔

آپ کے خیالات گراں قدر اور وقیع ہیں اور ہمیں خوشی ہوئی ہے کہ آپ کتاب و سنت کی روشنی میں سوچ بچار کرنے اور شرعی حدود و احکام معلوم کر کے ان کے مطابق چلنے کا عزم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت عطا فرمائے اور آپ کے ذریعے مسلمانوں کو رشد و ہدایت کا فیض پہنچائے۔ آمین! آپ کے سوالات کا جواب حسب ذیل ہے:

۱- آپ خانقاہی نظام کو شرعی حدود کے مطابق چلائیں۔

۲- قرآن و سنت کا وسیع مطالعہ کریں اور اس کی روشنی میں خلق خدا کی راہنمائی فرمائیں۔

۳- سیرت النبیؐ سیرت صحابہ، سلف صالحین، ائمہ مجتہدین اور بزرگان دین کے سچے اور صحیح واقعات کا مطالعہ کر کے متعلقین کو ان سے فیض یاب کریں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اقامت دین کی جو جدوجہد شروع کی ہے، وہ اس دور میں قرب الٰہی کا اصل ذریعہ ہے کہ یہ وقت کا تقاضا ہے، یعنی اولیں فرض یہ ہے کہ مسلمان حکومت الٰہیہ قائم کریں اور اسلامی نظام نافذ کرائیں۔ جو اس جدوجہد کا تارک ہے، اسے محض ذکر و اذکار اور اوراد وظائف سے قرب الٰہی نہیں مل سکتا اور جو یہ کام کرتا ہے، اس کے لیے قرآن پاک کی تلاوت، مسنون دعائیں، اذکار مسنونہ کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک نوجوان اور خوب صورت انسان کا صاف ستھرے اجلے کپڑے پہننا اور تیل کنگھی اور خوشبو لگا کر جسم کو خوبصورت بنانا۔ لیکن جو فریضہ وقت کا تارک

ہو، اس کے لیے اوراد و اذکار اور اشغال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ٹی بی کے مریض کو خوب صورت اور اجلے کپڑے پہنانا اور تیل سرمہ لگا کر کنگھی کر کے بناؤ سنگھار کرنا۔

۴- آپ مروجہ طریقوں سے ہٹ کر اپنے مریدین کے لیے درس قرآن، درس حدیث، مطالعہ لٹریچر، درس سیرت، بزرگان دین کے حالات پر مشتمل تقاریر اور مواعظ کے پروگرام رکھیں۔

۵- پھر تلاوت قرآن اور اذکار مسنونہ کو معمول بنائیں۔ حزب البحر کا معمول درست ہے۔ اس میں مسنون اذکار ہیں۔

۶- والد صاحب کی یاد میں جلسہ ضرور کریں لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے عرس کا نام دے کر وفات کی مقررہ تاریخ پر نہ کریں، آگے پیچھے کر لیا کریں۔ عرس کا نام رکھنا چاہیں تو اس میں کوئی خلاف شرع بات نہیں ہونی چاہیے۔ شرکیہ باتیں اور بدعات کا ارتکاب نہیں ہونا چاہیے۔

۷- دم کرنا اور تعویذ لکھ کر دینا جائز ہے۔ آپ نذرانے نہ وصول کریں۔ ہدیہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن صرف نام کی تبدیلی کافی نہیں ہے۔ اس لیے آپ اسے "اعانت" اور "عطیات" کے نام سے وصول کریں اور مہمانوں کی میزبانی اور دروس قرآن و حدیث کے اخراجات ان سے پورے کریں۔ لوگوں کو کہہ دیں کہ وہ زکوٰۃ و صدقات نہ دیں بلکہ عطیات دیں۔

۸- مستورات سے بقدر ضرورت گفتگو ہو تو وہ بھی پردے کے پیچھے اور ان کو ایسے کاموں کا ذکر کرنے سے منع کر دیں جن سے جنسی جذبات ابھرتے ہوں۔ صرف اوراد اور وظائف کی تعلیم دیں۔ تلاوت قرآن اور اذکار مسنونہ اور اوراد کو معمول بنانا اور لوگوں کو کسی ایک معمول کا مشورہ دینا جائز ہے۔ لیکن اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ انتظامی چیز ہے اس میں شرعاً کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔ لیکن جس طرح دفتری کاموں کے لیے ملازمین اپنا نظام الاوقات بنا سکتے ہیں، کسان زراعت کے لیے ایک پروگرام ترتیب دے سکتا ہے، اسی طرح آپ اپنے مریدین کو کوئی معمول دے سکتے ہیں تاکہ وہ اس کے مطابق تلاوت اور ذکر و اذکار کریں اور اس طرح سے ان کے روحانی اثرات ان کی زندگیوں میں مرتب ہوں۔

۹- آپ نئی شادی کرنا چاہتے ہیں تو اپنی بیوی کے مشورے سے ایسا کریں تاکہ آپ کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔ اپنی سابقہ رفیقہ حیات کے جذبات اور مشورے کا خیال رکھنا اور اس کی رضامندی سے قدم بڑھانا اچھی بات ہے کہ اسلام میں وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کی تلقین ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ آپ جماعت اسلامی کے مشن کے لیے خانقاہ کو ذریعہ بنا سکیں۔ (مولانا عبدالمالک)

سید اور غیر سید کے نکاح کا مسئلہ

ہمارا ایک مسئلہ ہے جس کی وجہ سے میری بہن بہت مشکل میں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا تعلق ہاشمی سید خاندان سے ہے اور میری بڑی بہن کی شادی بھی سادات قوم میں ہوئی ہے جو کہ پیر بھی ہیں۔ اب جبکہ میری دوسری بہن کی شادی خاندان سے باہر، ملک یعنی اعوان قوم میں ہوئی ہے، تو میری بڑی بہن کے سسرال والے یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ سید قوم والے اپنی لڑکی کی شادی غیر سید سے نہیں کر سکتے ورنہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں وہ کئی کتابوں کے حوالے دیتے ہیں جن میں سے ایک **فتاوی رضویہ** ہے۔ انھوں نے میری بہن کے میکے آنے جانے پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔ جناب! ہم بہت پریشان ہیں۔ کیا واقعی ایسا ہے کہ ہاشمی سید، غیر قوم میں شادی نہیں کر سکتے؟

کیا ہاشمی سید "غیر قوم" میں شادی کر سکتے ہیں؟ اس سوال کا تعلق تین بنیادی امور سے ہے۔ اول، کیا قرآن و سنت، اہل ایمان میں، ہم قوم اور غیر قوم ہونے کی بنا پر کوئی تفریق تسلیم کرتے ہیں؟ دوم، کیا اسلام کے خاندانی نظام میں نکاح کے درست ہونے کے لیے "کفو" بنیادی شرط ہے؟ اور سوم، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کا عمل کیا ثبوت پیش کرتا ہے؟

اس سلسلے میں چند نکات آپ کے غور کرنے کے لیے تحریر کیے جا رہے ہیں۔

قرآن کریم انسانی زندگی کے آغاز و قیام کے حوالے سے فرماتا ہے: "لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا (زوج) بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے" (النساء ۴:۱)۔ یہی بات سورہ الحجرات میں بھی فرمائی گئی: "لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھارے شعوب (قومیں) اور قبائل (برادریاں) بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار (متقی) ہے" (الحجرات ۴۹:۱۳)۔

ان قرآنی ہدایات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انسان بربنائے تخلیق مختلف نہیں ہیں بلکہ ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کے سبب یکساں ہیں۔ یہی وہ عالمگیر انسانیت ہے جس کی بنا پر اسلام نسل و رنگ اور قبیلہ و برادری کی عصبیت کے خلاف اخلاقی جہاد کے ذریعے انقلاب برپا کرتا ہے۔ چنانچہ فرما دیا گیا کہ وجہ امتیاز قبیلہ، ذات، برادری قوم نہیں ہے بلکہ تقویٰ، نیکی، پرہیزگاری، عمل صالح اور کردار و شخصیت ہے۔ قرآن کریم کے اتنے واضح قول فیصل کے بعد برادری یا قومیت کو بنیاد بنانا اور تقویٰ کو پس پشت ڈالنا وہی عمل ہے جسے بنی اسرائیل کی مثال دے کر قرآن پاک نے مختلف مقامات پر سخت ناپسند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کو جو اپنے باپ دادا کے عمل اور روایات کو بنیاد بنا کر یہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے تو اپنے آباواجداد کو یہی

کرتے ہوئے پایا، وہ تو کبھی فلاں قوم یا فلاں برادری کے باہر نکاح اور تعلقات قائم نہیں کیا کرتے تھے، گمراہ اور اللہ رب العالمین کی جگہ اپنے اجداد کو خدا بنانے والا قرار دیا ہے۔

سورۃ الاحزاب میں جس قدر (value) کو نہایت وضاحت سے پیش فرمایا گیا ہے، اس پر ایک نگاہ ڈالیے۔ فرمایا: "بالیقین جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں، مومن بھی ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔ کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے میں فیصلہ کر دے تو پھر اسے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا" (الاحزاب ۳۳:۳۴-۳۵)۔

یہاں دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ اول، مرد اور عورت میں وجہ مساوات ان کا اسلام، ایمان، طاعت، راست بازی، صبر، اللہ کے سامنے جھکنا، صدقہ دینا، روزہ رکھنا اور اللہ کا ذکر کرنا ہے جو ان کے لیے اس دنیا میں ہدایت اور آخرت میں اجر کا باعث ہے۔ یہاں کسی اشارے کنایے میں یہ بات نہیں کہی گئی کہ شیخ، سید، پٹھان، جاٹ، انصاری، فاروقی، زیدی، علوی ہونا ہدایت یا آخرت میں کامیابی کی علامت ہے۔ نہ یہ فرمایا گیا کہ ان ذاتوں برادریوں یا "قومیتوں" کی بنا پر کوئی امتیاز قائم کیا جا سکتا ہے۔ ان کا مقصد صرف تعارف ہے، یعنی ایک دوسرے کو پکارنے اور ابلاغ عامہ کے لیے ایک نام سے یاد کرنا۔

دوم، یہ بات یہاں واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ قرآن اور سنت کے ایک بات طے کر دینے کے بعد اپنے آبا و اجداد کی دلیل لاتے ہیں اور خود فیصلہ کرنے کا اختیار زبردستی چند جاہلی باقیات کی بنیاد پر حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ ہدایت پر نہیں ہیں۔ قرآن کے اتنے واضح الفاظ میں ایک بات کہہ دینے کے بعد کسی اہل ایمان کے لیے اپنی بات پر اصرار کرنا نہ دانشمندی ہے نہ دین کے ساتھ محبت و تعلق کی علامت۔ اس لیے جتنی جلدی ہو سکے اس رویے کی اصلاح کرنی چاہیے۔

ایک برادری، نسل اور ماں باپ سے تعلق رکھنے والے ان انسانوں کے درمیان اگر فرق کی کوئی بنیاد ہو سکتی ہے تو وہ نسل یا برادری کی برتری نہیں ہے۔ بلاشبہ اسلام سے قبل طبقاتی اور قومیت و قبیلہ پر مبنی نظام پایا جاتا تھا لیکن اسلام نے ان تمام بتوں کو توڑ کر صرف تقویٰ اور عمل صالح کو برتری کی بنیاد قرار دیا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ ازدواج کے حوالے سے یہ اصول بیان فرمایا کہ عام طور پر ایک عورت سے شادی، اس کی خاندانی شرافت یا حسن و جمال یا دولت کی بنا پر کی جاتی ہے لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ اس کے اخلاق و کردار کی بنیاد پر شادی کی جائے۔ یہ ثقافتی انقلاب اسلام ہی کا کارنامہ تھا۔ اس کے

عملی اظہار کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایک اعلیٰ نسب کی ہاشمی صحابیہ حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح ایک "غیر قوم" کے نوجوان صحابی حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ خود فرمایا۔ گویا ایک ہاشمیہ اور غیرہاشمی کا نکاح اپنے دست مبارک سے کر کے قیامت تک کے لیے اپنے عمل سے یہ مثال قائم کر دی کہ شادی بیاہ کی بنیاد، نسل و خون نہیں بلکہ تقویٰ اور عمل صالح ہے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ اعلیٰ نسب کے افراد کی شادی ان جیسے ہی اعلیٰ نسب گھرانوں میں ہو۔ بظاہر اس کا سبب "کفو" کا تصور ہے۔ ہمارے فقہا نے رشتہ ازدواج کے حوالے سے "کفو" کے عنوان کے تحت جو بحث کی ہے وہ قرآن و حدیث کے واضح ارشادات کے بعد ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ حنفی فقہا چھ باتوں کو کفو میں شامل کرتے ہیں: اسلام، خاندان، پیشہ، حریت، دین اور مال۔ ظاہر ہے اگر ایک شوہر مسلم ہے اور بیوی اہل کتابیہ، تو اسلام کے لحاظ سے فرق کے باوجود نکاح باطل نہیں ہوا۔ یا ایک شوہر دین کے لحاظ سے عظیم فقیہ و مفسر ہے، جید محدث ہے جبکہ بیوی دین کا بنیادی علم، حرام و حلال کی حد تک جانتی ہے یا اس کے برعکس، تو دونوں صورتوں میں نکاح باطل نہیں ہو گا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دین، تفقہ، تقویٰ، پاکبازی، صالحیت جیسے بنیادی اور اہم معاملات میں باہم فرق سے تو نکاح اور رشتہ ازدواج برقرار رہے لیکن اگر حسن، مال یا خاندان یا پیشہ میں فرق ہو تو رشتہ ازدواج خطرے میں پڑ جائے؟

بات نہ مشکل ہے نہ الجھی ہوئی نہ مخفی۔ دراصل ہم بعض معاملات میں اپنے اجداد کی روایات کے اتنے سخت غلام ہیں کہ ان سے سرمو ہٹنا اپنے "دین" کے منافی سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ "دین" کون سا ہے؟ قرآن و حدیث کی واضح ہدایات والا یا اپنی روایات کی اندھی پیروی کرنے والا۔ یہ فیصلہ چونکہ آباو اجداد کی روایات کے خلاف لے جاتا ہے، اس لیے گھوم پھر کر بات وہیں پر آ کر رکتی ہے کہ کیا ہمارے باپ دادا اور وہ فقہا جو "کفو" کے حوالے سے خاندان کا ذکر کرتے ہیں--- دین سے ناواقف تھے۔

جن فقہا نے "کفو" پر بات کی ہے، وہ کسی مقام پر یہ نہیں کہتے کہ اگر انتخاب تقویٰ، حسن، دولت اور خاندان میں ہو تو ایک فاسق و فاجر "اعلیٰ خاندان" والے، فلاں نسب والے سے شادی کر دی جائے۔ قرآن کا اصول ہے کہ صالح مرد کے لیے صالح عورت اور خبیث مرد کے لیے خبیث عورت۔ کسی بڑے سے بڑے فقیہ کی اجتہادی رائے بھی اس اصول کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ بنیاد صالحیت، تقویٰ، عمل صالح اور نیکی ہے، نہ کہ کچھ اور۔

ہاں خاندان اور نسب کے بارے میں اگر ثانوی حیثیت سے غور کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ایک فرد تقویٰ، عمل اور ادب و اخلاق کے لحاظ سے کیسا ہے؟ اس کے اطوار و عادات کیسے ہیں یا جن دو گھروں میں قریبی تعلق پیدا ہونے جا رہا ہے، ان کا رہن سہن کیسا ہے؟ کیا دونوں میں کوئی مشترک اقدار ہیں یا بعد

المشرقین؟ فرض کیجیے ایک گھرانے میں ہر فرد تعلیم یافتہ، ادبی ذوق رکھنے والا ہے جبکہ دوسرے گھر میں نہ تعلیم کا رواج اور شوق ہے نہ رہن سہن میں سلیقہ اور صفائی ہے۔ ظاہر ہے شادی کے بعد جب دو افراد اور دو خاندانوں کو ایک ساتھ رہنے کا اتفاق ہو گا تو ہر معاملے میں اس تضاد کی بنا پر مشکلات پیش آئیں گی۔ ایک معمولی سی مثال جو ہمارے معاشرے میں عام طور پر نظر آتی ہے، یہ ہے کہ بعض گھرانوں میں گفتگو میں جو زبان استعمال کی جاتی ہے، وہ ان کی اپنی روایات میں چاہے قابل اعتراض نہ ہو لیکن ایک نئے آنے والے فرد کے لیے وہ صدمے (shock) کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر ایک لڑکے یا لڑکی نے بچپن سے اپنے والدین اور اقربا کو ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہوئے "آپ" یا حد سے حد "تم" کا لفظ سنا ہو اور شادی کے بعد ہر لمحے اسے "تو" کہا جائے تو اس کا یہ سمجھنا کہ اسے کمتر سمجھ کر بات کی جا رہی ہے، بے جا نہ ہو گا۔ معاملہ حسن اور نسب کا نہیں، محض طرز تخاطب اور طرز عمل کا ہے۔ اخلاق و ادب کا ہے۔ گویا "کفو" کو ذات برادری یا کسی خاص طبقے تک محدود سمجھنا درست نہ ہو گا، اس کا اصل مقصود معاشرتی سطح پر قربت ہے، نہ کہ نسبیت و عصبیت۔

اگر اسلام بھی ہندوازم کی طرح ذات اور نسل پر مبنی ایک مذہب ہوتا تو جس طرح ہندوازم میں برہمن کی شادی برہمن اور ویش اور کھشتری کی شادی صرف اس کی ذات ہی میں ہو سکتی ہے، ویسے ہی اسلام میں بھی ہوتا۔ لیکن اسلام نے ان تمام جاہلی روایات کو توڑ کر زیدؓ کی شادی ایک ہاشمی النسل صحابیہ حضورؐ کی خونی رشتے دار کے ساتھ کر کے ایک نئی معاشرتی روایت کا آغاز کیا۔

امت مسلمہ کے لیے قابل عمل نمونہ آباو اجداد کی روایات نہیں، قرآن و سنت کی تعلیمات ہیں۔ اس لیے ہمیں ہاشمی سید اور "غیر قوم" کے خود ساختہ تصورات سے جو بڑی حد تک برصغیر کی مقامی روایات کے زیر اثر ہم نے اختیار کر لیے ہیں، نکلنا ہو گا۔ جہاں تک فتویٰ کا تعلق ہے، ترجمان القرآن کی یہ روایت رہی ہے کہ ہم مسائل کی تفہیم کے لیے تو مسئلے پر گفتگو کرتے ہیں لیکن ہماری کوئی رائے فتویٰ کے طور پر پیش کرنے کے لیے نہیں ہوتی۔ البتہ یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ایک ہاشمی اور غیرہاشمی کا نکاح ایک فرد کے غیر سید ہونے کی بنا پر فسخ نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت زیدؓ کی مثال سے قرآن و حدیث نے خود واضح کر دیا ہے۔ ایک شادی شدہ خاتون کا اس کے میکے آنا جانا بھی ایسے کسی تصور سے متاثر نہیں ہوتا۔ ہمیں چاہیے کہ عائلی معاملات میں قرآن و حدیث کو اپنا رہنما بنائیں اور محض خاندانی روایات کی بنا پر کسی عمل کو اختیار نہ کریں۔ (ڈاکٹر انیس احمد)